OPEN ACCESS
Al-Qālam القلم
P-ISSN: 2071-8683; E-ISSN: 2707-0077
Volume 28, Issue, 2, 2023
http://alqalamjournalpu.com/

تصوف میں اخلاق کا مقام: مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کا خصوصی مطالعہ

The Place of Ethics in Sufism: A Special Study of the Thought of Maulana Obaidullah Sindhi

Munawar Hussain, Visiting Lecturer Department of Islamic Studies MNS University of Agriculture Multan

Dr. Tahmina Fazal, Assistant Professor**,** University of Education Lahore, (Vehari Campus)

Abstract

Sufis have played a significant role in the reformation of morals and character. In this article, the thought of Maulana Ubaidullah Sindhi has been studied. He was a prominent religious scholar and practical Sufi in the Indian subcontinent. As a leader, in the 20th century, he tried hard to shape the mindset and character of the Muslims of the Indian sub-continent. According to his teachings, four traits in humans for high morals and character in society are purity, humility, and modesty. It is necessary to have humility and submission, tolerance and justice. Moreover, these morals that are contrary to them have also been discussed in this article.

KEYWORDS:

Sufi thought, Four Ethics, interrelation of worship and ethics.

Date of Publication: 27-12-2023

CC BY NC ND

تمہید

صوفیاء کی نظر میں تمام مخلوقات خداوند تعالیٰ کے دامنِ ربوبیت میں پل رہی ہے۔ خواہ وہ ہندو ہو یا عیسائی ، یہودی ہو یا کافر، مشرک ہو یا مشرق و مغرب کا رہنے والا، مسلمان ہو سُنی ہو یا شیعہ حتیٰ کہ گورا ہو یا کالا صوفی صاف

دِل سے سب کو اپنے سینے سے لگا لیتا ہے۔ اپنے حسن و عمل اور حسن اَخلاق سے دینِ مبین کی روح کی تبلیغ کرتا ہے۔ دینِ مبین کی تبلیغ کا یہ سلسلہ روزِ ازل سے خداوند تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے شروع کیا اور اِس کا اختتام نبی مکرم ﷺ پر کیا۔ آپ ﷺ پر نبوت کا دروازہ تو بند تو ہو چکا ہے لیکن آپ ﷺ کے بعد ہدایت و راہنمائی کا یہ سلسلہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے بند نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کے صحابہ کرام ؓ، آپ ﷺ کے خلفاء راشدین، تابعین، تبع تابعین، علمائے کرام اور صوفیائے کرام سے متصل تاحال جاری ہے۔ انہی صوفیاء کرام میں مولانا عبید اللہ سندھیؒ ایک نمایاں صوفی باکمال تھے۔ وہ تصوف کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ آپؒ کی شخصیت مختلف پہلوؤں سے آراستہ تھی۔ آپؒ ایک ممتاز عالم دین، مجاہد، ایک انقلابی و سیاسی لیڈر، مفکر، محدث، مُفسر اور ایک بَا عمل صوفی باکمال تھے۔

اپنی بہتّر (72) سالہ زندگی کا ایک عرصہ کثیر جلاوطنی کاٹنے کے باوجود بھی آپؒ نے برصغیر پاک و ہند کے انسانوں کے لیے اُن کی انگریز سرکار سے آزادی سے لے کر اُن کی دینی و دنیاوی کامل راہنمائی کے لیے کوشاں رہے۔ آپؒ کی خدماتِ تصوف کے حوالے سے کسی بھی صورت انکار نہیں کیا جا سکتا۔ معاشرے کی اصلاح کے لیے اصلاحی کاموں اور فلاحِ انسانی ظاہر یا باطن سے انکار کرنا ممکن نہیں جب بھی کسی کو اپنے ظاہر و باطنی اصلاح کی ضرورت ہو تو آپؒ کی تعلیمات اور دیگر صوفیاء کرامؒ کی تعلیمات سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ آپؒ کی تعلیمات آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ نا صرف ذاتی زندگی میں ان اَخلاق عالیہ سے آراستہ تھے بلکہ ان کی پوری زندگی ان اَخلاق کی ترویج اور ان کے مخالف رویوں اور نظام کے خلاف جدوجہد میں سرگرم عمل رہے۔

آپ 10 مارچ 1872ء میں پنجاب کے ضلع سیالکوٹ میں ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کی شخصیت پر قرآن الحکیم کی ایک آیت مبارکہ کا مصداق ہوتا ہے "**يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ**"[1] (وہ اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے جسے چاہتا ہے) کہ ایک ایسا انسان جس کا باپ داد اور والدہ سکھ گھرانے سے تھے۔ غیر اسلامی مذہب سے تعلق رکھنے کے باوجود آپ نے بلا کسی دعوت کے آپ نے ایک آریہ سماج دوست سے ایک کتاب تحفۃ الہند مستعار لی اور ان کے کا مطالعہ کیا جس سے آپ کے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوئی اس کے بعد آپ نے سید احمد شہید کی کتاب تقویۃ الایمان کا مطالعہ کیا۔ ان کتب کے مطالعہ سے آپ کے دل میں اسلام کی محبت [2] اس قدر بڑھی

کہ آپ نے اپنے والدین اور گھر کو چھوڑا اُس وقت آپ کی عمر 16 برس کی تھی اور اسلام قبول کر لیا۔ اسلام کی باقاعدہ تعلیم کے لیے آپ سندھ کی طرف روانہ ہو گئے۔ سندھ حیدر آباد میں آپ عاستانہ عالیہ بھرچونڈی شریف پہنچے۔ جہاں آپؒ خلیفہ مجاز بھرچونڈی شریف حافظ الملت محمد صدیق صاحبؒ کی صحبت میں رہنے لگے اور انہی کے ہاتھ سلسلہ قادریہ راشدیہ میں دست بیعت ہو گئے۔[3]

اس کے بعد آپؒ نے سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ کے اذکار سید العارفین خلیفہ اعظم مولانا ابو السراج دین پوری سے سیکھتے رہیں۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ سندھ میں اپنے مرشد کی صحبت میں تزکیہ باطن سیکھتے سیکھتے مجھ میں اتنی قوت جذب (مقام فنا) پیدا ہو گئی تھی کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ اگر مَیں ان اشغال واذکار میں منہمک رہا تو اجتماعی کام نہ کر سکوں گا۔ اِس لیے مَیں نے ادھر توجہ کم کر دی اور درس و تدریس میں زیادہ وقت دینے لگا اور تصوف کا یہی مقام فنا مَیں نے اپنے سیاسی اور اجتماعی نصب العینوں کے لیے وقف کر دیا لیکن بعض لوگوں میں تصوف کی منازل طے کرنے کے بعد جب یہ غیر معمولی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں تو ان میں سے بعض انہیں اپنے باطن تک محدود رکھتے ہیں یا خارج میں اگر ان سے کوئی کام لیا تو اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے نفوس کو پاک کرنے اور انہیں نیک راہ چلانے تک اکتفا کیا لیکن میری عمل پسند طبیعت نے مجھے دوسری راہ پر ڈال دیا۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ نے اپنے مرشدوں سے جو بھی فیض پایا اور تصوف کے طفیل جو بھی بلند مقام انہیں ملے وہ ان تمام صلاحیتوں کو سیاست میں بروئے کار لائے چنانچہ آپ کی سیاست حیلہ جو عقل اور منفعت پسند ذہنیت والی سیاست نہیں بلکہ آپ نے اپنی پوری زندگی کُل انسانیت کے لئے وقف کی اور ایسی سوچ اور فکر کے مالک بنے جس سے کلی انسانیت کا بھلا ہو۔ اس لئے آپؒ نے اجتماعی فائدے کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے وجدان اور تصوف سے انقلاب اور سیاست پر زور دیا۔ آپ ایک صوفی باکمال ہونے کے ساتھ ساتھ ایک انقلابی اور سیاسی لیڈر بھی تھے۔

آپؒ کی سیاست آپؒ کے دل کی آواز ہے کیونکہ آپؒ کو اِس بات پر پورا یقین تھا کہ یہ آواز ان کی کسی نفسانی خواہش کی صدائے بازگشت نہیں بلکہ ان کے لیے دل کی یہ آواز ارادۂ الٰہی کی کارفرمائی کا ایک مظہر ہے۔ قدرت مولانا سے اسی بات کا تقاضا چاہتی تھی اور اسی آواز پر عمل کرنا مصلحت خداوندی کو آپؒ کی زندگی میں آشکار کرتا ہے۔ آپؒ کا یہ عقیدہ تھا کہ زمانہ کا تقاضا خدا تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہوتا ہے، اور زندگی کے اسباب و حالات جس نظام کے

متقاضی ہوتے ہیں۔ خدائی مصلحت اسی نظام کو دنیا میں نافذ کرنا چاہتی ہے اور یہی اِس کی مرضی ہوتی ہے لیکن خدا تعالیٰ کی یہ مرضی ہمیشہ اِس کے بندوں کے ذریعے ہی دنیا میں عملی خاصہ پہنتی ہے اور اللہ کا ہاتھ بندوں کے ہاتھوں کے اندر کام کرتا ہے۔ اِس لیے بسا اوقات سیاسی کام بھی الٰہی کام ہو سکتے ہیں اور سیاست عبادت بن جاتی ہے۔ **"مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی سیاست دراصل ان کے اسی وجدانی شعور کا مظہر ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو اپنے سیاسی مقصد کے صحیح اور برحق ہونے کا اٹل یقین تھا"**۔24 سالہ جلاوطنی میں آپ نے سات سال افغانستان سات ماہ ماسکو روس تین سال ترکی اور 14 سال حجاز مقدس میں قیام کیا۔1915ء سے 1939ء تک جلاوطنی کاٹی۔ مارچ 1939 میں وطن واپس آئے اور پانچ سال مسلسل برصغیر پاک وہند کی مذہبی اور سیاسی حالات کی بہتری کے لیے کوشاں رہے اور بلا آخر 2 اگست 1944ء کو اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔

اخلاق کا مفہوم

اَخلاق کا مادہ خُلق (خ-ل-ق) ہے۔ اخلاق خُلق کی جمع ہے جس کے معنی عادات و کردار طبیعت، مروت و عادت کے ہیں۔

ابن منظور لسان العرب میں اَخلاق کے معنی اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"وهو الذين والطبع والسجية وحقيقته انه لصورة الانسان الباطنه وهى نفسه واوصافها ومعانيها المختصة بها"[4]

(خُلق کا معنی ہے دین فطرت اور طبیعت اور یہ انسان کی اندورنی کیفیت ہے اور اس کو اس کے اوصاف اور مخصوص معنی کو خُلق کہتے ہیں جس طرح کہ اس کی ظاہری شکل وصورت کو خَلق کہا جاتا ہے)

جبکہ تاج العروس میں ہے!" **الخليقة الطبيعة يخلق بها الانسان**"[5] خلیقہ کی جمع خلائق ہے اس کا معنی طبیعت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔

اصطلاحی تعریف

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اخلاق کی تعریف یون بیان کرتے ہیں!

"خُلق انسان کی اس کیفیت کا نام ہے جو اس کی طبیعت کے اوصاف و حالات کو جدوجہد کر کے اپنی جانب راجع کرے"۔[6]

جبکہ امام فخر الدین رازیؒ فرمارتے ہیں۔

الخلق ملكة نفسانية يسهل على المتصف بهاالاتيان بالافعال الجميلة[7] خُلق ایسی باطنی کیفیت اور ملکہ کو کہتے ہیں جس سے پاکیزہ اعمال صادر ہوتے ہیں۔

جبکہ اَخلاق الماردی کے نزدیک!

"**الاخلاق غرائز كامنه،تظهر بالاختيار،وتقهر بالاضطرار**"[8] ہے۔ اخلاق پوشیدہ جبلتیں ہیں جو انتخاب سے ظاہر ہوتی ہیں اور ضرورت سے دبادی جاتی ہیں۔

سید شریف جرجانی اَخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ!

"**عبارة عن هيئة للنفس راسخة تصدر عنها الافعال بسهولة وسير من غير حاجة الى فكر وروية فان كان الصادر عنها الافعال الحسنة كانت الهية خلقا،وان كان الصادر منهاالافعال القبيحة سميت الهية التى هي مصدر ذلک خلقا سيا**"[9]

خُلق نفس کی اس راسخ کیفیت کا نام ہے جس سے بغیر سوچے سمجھے بڑی آسانی سے افعال صادر ہوتے ہیں۔اور اگر یہ کیفیت ایسی ہے کہ اس سے عقلی اور شرعی لحاظ سے آسانی کے ساتھ خوبصورت اعمال صادر ہوں تو ایس کیفیت " اچھاخُلق " کہلاتی ہے اور اگر اس سے بُرے اعمال صادر ہوں تو ایسی کیفیت "بُراخُلق " کہلاتی ہے۔

اور ابو عثمان عمرو بحر الکنانی البصری المعروف جاحظ فرماتے ہیں کہ!

"**حال النفس ،بها يفعل الانسان افعاله روية والا اختيار**"[10]

خلق نفس کی وہ حالت ہے جس کی وجہ سے انسان بغیر سوچے سمجھے اور بغیر اختیار کے کام کرے۔

وارث سرہندی کے بقول اخلاق خلق کی جمع ہے اس سے مراد عادتیں خصلتیں، خوش خوئی، ملنساری، کشادہ پیشانی، خاطر مدارت، آؤ بھگت اور علم الاخلاق سے مراد جس میں معاد و معاش تہذیب نفس سیاست مدن وغیرہ کی بحث ہو[11]۔ گویا اخلاق سے مراد عادات حسنہ اور اعلیٰ کردار ہے۔ ایک مخصوص طرزِ حیات، قاعدہ قرینہ اور وضع بودوباش ہے۔

عبادات اور اخلاق کا باہمی ربط

فرمان مصطفیٰ ﷺ ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ، أَنّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ! قَالَ: أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوا: الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ، فَقَالَ: " إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ، وَصِيَامٍ، وَزَكَاةٍ، وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا، وَقَذَفَ هَذَا، وَأَكَلَ مَالَ هَذَا، وَسَفَكَ دَمَ هَذَا، وَضَرَبَ هَذَا، فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ، فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ، فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ[12]."

"کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے کہا! ہمارے نزدیک مُفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو، نہ کوئی سازوسامان۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کا مُفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ لے کر آئے گا اور اس طرح آئے گا کہ)دنیا میں (اس کو گالی دی ہو گی، اس پر بہتان لگایا ہو گا، اس کا مال کھایا ہو گا، اس کا خون بہایا ہو گا اور اس کو مارا ہو گا، تو اس کی نیکیوں میں سے اس کو بھی دیا جائے گا اور اس کو بھی دیا جائے گا اور اگر اس پر جو ذمہ ہے اس کی ادائیگی سے پہلے اس کی ساری نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان کے گناہوں کو لے کر اس پر ڈالا جائے گا، پھر اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔")

یہ حدیث مبارکہ عبادات اور اخلاقیات کا باہمی ربط بیان کر رہی ہے آپ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اُمت کا مفلس وہ کہلائے گا جس نے نماز، روزہ اور زکوۃ تو ادا کیا ہو گا لیکن لوگوں کے ساتھ اس کا میل برتاؤ ٹھیک نہیں ہو گا۔ یہ گالی گلوچ کرتا، ان پر تہمت لگاتا، ناجائز مال حاصل کرتا، خون بہاتا، قتل کرتا اور مار پیٹ کرتا تھا۔ ایسا شخص روزِ قیامت جب حساب کتاب کے لیے اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا تو اس کے ظلم کے شکار لوگ اللہ کے

روبرو شکایت کریں گئے اور ہر ایک اپنے اُوپر ہونے والا ظلم بیان کرئے گا تو اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائیں گئے کہ اس کے ان جرائم کے بدلے میں اس کی نیکیاں اس ستم زدہ لوگوں کو دے دو لیکن اس کی زیادیتوں کا بدلہ ابھی مکمل نا ہوا ہو گا کہ اس کی ساری زندگی کی عبادات، معاملات کی خرابی کی نذر ہو جائیں گی تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گئے کہ اب شکایت کرنے والوں کے گناہ اس کے اوپر ڈال دو تو اُن کے گناہ اس پر ڈال دیے جائیں گئے اوران گناہوں کے بوجھ کے ساتھ اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ عبادات کا اہم مقصد اَخلاق کی درستگی ہے۔ ہر عبادت کا اپنا ایک مقصد اور الگ الگ نتائج ہوتے ہیں۔ یہ مقاصد انسانی مزاج، رویوں اور اس کے اَخلاق کی درستگی کے حصول کے لیے ہیں۔ یوں عبادت انسان کے لیے ایک اچھا انسان بننے کے لیے مدد گار ہوتی ہے۔ اس لیے مومن کو اس اَمر پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے کہ اس کے اخلاق کیسے ہیں؟ یوں اس کے رویوں سے ظاہر ہو جائے گا کہ عبادت کا اس پر کیا اَثر ہو رہا ہے۔

یعنی اَخلاق دین کا وہ حصہ ہے جو انسانی اعمال کی فضائل اور برائیوں کو بیان کرتا ہے۔ اَخلاق انسان کی اُن باطنی صفات کو کہا جاتا ہے جو انسان کی عادت میں تبدیل ہوگئی ہوں۔ اَخلاق "اچھے اور بُرے" انفرادی اور اجتماعی اَخلاق میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے پیغمبر اکرم ﷺ کی بعثت کا ہدف انسانوں کے اَخلاق کی اصلاح بتایا ہے۔ اور روایات میں سب سے نیک اور اَخلاقی صفت کو مکارم الاَخلاق سے یاد کیا ہے۔

جیسا کہ حجۃ الاسلام امام محمد بن غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ!

خُلق نفس کی ایک ایسی کیفیت اور ہئیت راسخہ کا نام ہے جس سے بہ سہولت اور فکر و توجہ کے بغیر نفس سے اعمال صادر ہو سکیں۔ پس اگر عقل و نقل کی نظر میں جو اعمال حسنہ ہیں وہ صادر ہوتے ہیں تو اس کا نام خُلق حسن اور اگر اس سے غیر محمود افعال صادر ہوتے ہیں تو اس کو خُلق سی اور بد اخلاقی کہتے ہیں۔ خوش خُلقی و بد خُلقی ان پر قدرت کا نام نہیں ہے بلکہ اس ہئیت و ملکہ راسخہ کا نام ہے ک جس سے نفس میں اچھے کاموں کا شوق اور بُرے کاموں ضبط و اجتناب کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اس لیے خُلق نفس کی ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔[13]

آپ ؒ کی نظر میں تہذیب ِ نفس کے سلسلہ میں شریعت کا مقصود دراصل یہ ہے کہ انسانوں میں چار[14] خصلتیں پیدا ہوں اور جو چیزیں ان چار خصلتوں کے خلاف اور ان کی ضد ہیں ان کی نفی کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے انبیاء علیہ السلام کو انہی چار خصلتوں کو بروئے کار لانے کے لئے مبعوث فرمایا۔ اور تمام شرع الہی کا یہی مقصد ہے کہ وہ ان چار خصلتوں کی تلقین کریں اور ان کو حاصل کرنے کی طرف لوگوں کو رغبت دلائیں۔ اور نیز جن رسوم اور اعمال سے یہ خصلتیں حاصل ہو سکتی ہیں ان کی لوگوں میں ترویج کریں اور ان اَخلاق کے حصول میں جو رکاوٹیں پیدا ہو جائیں ان کو دور کرنے کی تدابیر کرے۔ الغرض شرعی حال ہی میں ترغیب و تحریص کا سارا زور انہی چار خصلتوں کے پیدا کرنے پر مرکوز ہے اور جن چیزوں سے لوگوں کو ڈرایا گیا ہے۔ وہ حقیقت میں ان چار خصلتوں کی ہی ضد ہیں۔[15]

"بِر" یعنی نیکی عبادت ہے۔ اُن اعمال اور ذرائع سے جن سے یہ چار خصلتیں پیدا ہوتی ہیں اور وہ اعمال اور وسائل جو ِان خصلتوں کے خلاف اثر پیدا کرتے ہیں۔ ان میں پڑنا "اُثم" یعنی بدی ہے۔ اور نیز وہ اَخلاق جو اسی زندگی کے بعد دوسری دنیا میں انسانوں کے کام آئیں گے اور ان کے نہ ہونے سے ان کو وہاں نقصان پہنچے گا۔ وہ یہی چار خصلتیں ہیں۔[16]

جس شخص نے ان چار خصلتوں کی اصل حقیقت کو اپنے ذوق وجدان سے جان لیا اور نیز وہ اس راز کو بھی پا گیا کہ ہر زمانے میں اور ہر قوم میں جو بھی شریعت بنی اس شریعت کے پیش کردہ احکام اور اعمال کس طرح ان چار خصلتوں تک پہنچے اور ان کی تکمیل کے ذرائع اور واسطہ بنے چلے آرہے ہیں۔ الغرض جس شخص نے اس راز کو معلوم کر لیا۔ وہ صحیح معنوں میں "فقہیہ فی الدین" اور "راسخ فی العلم" ہے۔ اور وہ شخص جس نے شریعت کے ظاہری اعمال میں ان خصلتوں کا سراغ لگایا اور وہ ان کے رنگ میں رنگا گیا اور اس نے اپنی ذات کے اصل جوہر میں ان خصلتوں کا اثر جذب کر لیا تو اسکا شمار "محسنین" میں سے ہو گا۔

قصہ مختصراً ان چار خصلتوں کی معرفت بہت بڑی بات ہے اور اس بندہ ضعیف پر خداوند کریم کا عظیم الشان احسان ہے کہ اس نے مجھے ان کی معرفت عطا فرمائی۔ ان کی تفصیل یوں پیشِ نظر ہے۔

1 طہارت 2 خشوع و خضوع یا اخبات الی اللہ 3 سماحت 4 عدالت

1. **طہارت**

ان چار خصلتوں میں سے انسان کی اخلاقی تربیت میں پیدا ہونے والی پہلی خصلت طہارت ہے۔ جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "**وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ**"[17] (اور اپنے کپڑے پاک رکھو)۔

قدرت نے ہر سلیم النفس انسان میں یہ خصلت ودیعت کی ہے اور اس میں فطری طور پر طہارت کی طرف میلان رکھا ہے۔ اگر ایک شخص اپنی سلامتی فطرت پر رہے اور باہر سے کوئی اور چیز اس کے نفس میں خلل انداز نہ ہوں تو لامحالہ وہ طہارت کی خصلت کا حامل ہو گا۔ لفظ طہارت سے کہیں یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس جگہ طہارت سے ہماری مراد وضو اور غسل سے ہے۔ طہارت سے دراصل یہاں مقصود وضو اور غسل کی روح اور ان سے انسان کو جو نُور وانشراح حاصل ہوتا ہے اس سے ہے۔

اس اجمال کی تفصیل اس طرح سمجھتے لیتے ہے کہ آپ ایک پاکیزہ طبیعت والے ایسے آدمی کو لے لیجیے کہ جس کی حرکات وسکنات اور آثار وقرائن سے یہ قیاس لگایا جاسکے کہ اس کا مزاج صحیح اور اس کی فطرت سلامت ہے۔ اور نیز اس میں بحیثیت ایک انسان کے وہ مادہ استعداد موجود ہے۔ جو انسانیت کے فطری تقاضوں اور اس کے نوعی احکام کو قبول کر سکتا ہے۔

فرض کیا یہ شخص نفس کے ذلیل رجحانات اور بھوک، غضب وغصہ اور جماع وغیرہ کی جبلی خواہشات سے جو انسان کو تشویش میں ڈال دیتی ہیں فارغ ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اگر یہ شخص نجاستوں میں ملوث ہو جائے اور اس کے بدن پر میل کچیل جمی ہو اور جہاں بال نہیں ہونے چاہیے وہاں بال بڑھ گئے ہوں اور نیز اسے پیشاب اور پاخانہ لگ رہا ہو اور اس کے پیٹ میں ریح کا زور ہو جس کی وجہ سے اسے معدے میں گرانی محسوس ہو رہی ہو یا اِس نے ابھی ابھی جماع اور اُس کے خیالات ومسبیات سے فراغت پائی ہو۔ ان حالات میں اگر یہ شخص اپنے صحیح وَجدان کی طرف متوجہ ہو گا تو لامحالہ اسے اپنی اس حالت سے کراہت ہو گی۔ اور وہ اپنے اندر چڑچڑاپن تنگی اور رنج وغم محسوس کرے گا۔

اب یہی شخص بول وبراز سے فراغت حاصل کر لیتا ہے۔ وہ غسل کرتا ہے، زائد بالوں کو جسم سے دور کرتا ہے، نئے کپڑے پہنتا ہے اور خوشبو لگاتا ہے، اس حالت میں وہ اپنے صحیح وَجدان کی طرف متوجہ ہوتا ہے، تو اسے بڑی مسرت

محسوس ہوتی ہے، اور وہ اپنے اندر سرور و انشراح پاتا ہے۔ الغرض اس کی پہلی حالت ناپاکی اور حدث[18] کی تھی۔ جس کی وجہ سے اس کی طبیعت پر تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ دوسری حالت نورِ طہارت کی ہے۔ جس سے اس کی طبیعت کو مسرت اور کشائش حاصل ہوئی۔

انسان کے نفس کو جب ناپاکی کی تاریکی گھیر لیتی ہے تو اس کے اندر شیطانی وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ چناچہ وہ خوفناک خواب دیکھتا ہے اور اس کے دل پر سیاہی ہجوم کر آتی ہے اور جب اس پر نورِ طہارت کا غلبہ ہوتا ہے تو اس کے لئے فرشتوں کے الہامات ہوتے ہیں اور وہ اچھی اچھی خوابیں دیکھتا ہے۔ اور نیند اور بیداری دونوں حالتوں میں ایک نور اس کے دل کا احاطہ کیے رہتا ہے۔ نورِ طہارت والوں میں سے بعض ایسے ہوتے ہیں کہ وہ خواب میں دیکھتے ہیں کہ آفتاب ان کے دل میں یا ان کے منہ میں داخل ہو رہا ہے اس سے ان کو بڑی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اور ان میں سے بعض خواب میں ماہتاب اور ستاروں کو اپنے ماتھے اور جسم کے دوسرے اعضاء سے چمٹا ہوا دیکھتے ہیں اور بعض خواب میں نور کو بارش کی طرح برستا دیکھتے ہیں۔

الغرض یہ اور اس طرح کی اور چیزیں حقیقت میں آثار و مظاہر ہوتے ہیں ایک وَجدانی کیفیت کے جس کو اُنس نور سے بہتر کسی اور لفظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔ نورِ طہارت کی یہ کیفیت انسان کی جملہ کیفیات میں سے سب سے زیادہ ملاء اعلیٰ سے مشابہ ہوتی ہے اور ملاء اعلیٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بہیمیت کی تمام آلائشوں سے پاک ہیں۔ اور انہیں بذات خود اپنے آپ سے سرور و انبساط ملتا ہے۔ اور نیز ان کو اپنے اس مقام سے جو انہیں خدائے رحمٰن کی طرف سے تفویض کیا گیا ہے بڑا اُنس ہوتا ہے۔ انسانوں میں سے جب کوئی شخص ملاء اعلیٰ[19] سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے تو اس کی وجہ سے اسے بے حد خوشی و مسرت محسوس ہوتی ہے۔ اور جب خوشی و مسرت کی یہ حالت اس کے نفس میں راسخ ہو جاتی ہے تو یہ ایک ملکہ کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ چنانچہ اس شخص کو ملاء اعلیٰ سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اس پر جنت کی کیفیات کی روح اور اس کی نعمتوں کے حاصل مقصود کا دروازہ کھل جاتا ہے۔[20]

طہارت سے جو حکمت اور ولولہ میں انسانیت کا ایک بنیادی خُلق ہے۔ اسی طرح انسانی نفسیاتی غلاظتوں یعنی جوش غضب، بھوک، پیاس اور دیگر شہوات وغیرہ سے طبیعت کو پاک کر لے اور محسوس کرتا ہے جو ان حالتوں کی موجودگی میں نہیں ہوتا۔ ایسے ہی بُرے کلام بُرے فکر اور بُرے فعل سے صحت مند انسان کو دبئی انقباض محسوس

ہوتا ہے۔ جسے وہ صحت کے لئے دور کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان خلقِ طہارت میں کمال حاصل کرلے تو وہ عالم مثال کی قوتوں سے ملتحق ہو جاتا ہے۔ اور اپنے نفس میں ایک قسم کی مستقل مسرت محسوس کرتا ہے اس سے اخبات الیٰ اللہ کو تقویت ملتی ہے۔ لباس کی پاکیزگی جیسے کہ اوپر بیان ہوئی ہے بدن اور ماحول کی پاکیزگی کو ضروری قرار دیتی ہے۔ پس جو جماعت انقلاب قائم کرنے کی کوشش کرے وہ اس سہ گانا پاکیزگی کو لازم جانے تمام ترقی والی جماعتیں طہارت کی حامل ہوتی ہیں اور جب وہ طہارت کے بلند مقام سے گزر جاتی ہیں تو ارتجاع [21] میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ قومی پیمانے پر پاکیزگی کا التزام قومی مزاج کی صحت کی علامت ہے۔ اس سے اگلی آیت مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ "وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾" (اور گندگی سے دُور رہ) یعنی باطنی پاکیزگی کا بھی خیال رکھیں۔

2. خشوع و خضوع یا اخبات الی اللہ

طہارت کے بعد دوسری خصلت جو انسانی تربیت میں پیدا ہونا ضروری ہے وہ ہے اللہ تعالی کی جناب میں **عجز و خضوع** اور اس کی طرف اپنی چشمِ دل کو یکسر متوجہ کر دینے کی۔ حکمت ولی اللہی میں اسے خصلت "خضوع" یا "اخبات" کہتے ہیں۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾" [22] (بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے اور اپنے رب کی طرف رجوع لائے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ۔

انسان اپنے آباو اجداد، مرشدین، معلمین اور صالح حکام کی تنظیم کرتا ہے اور جب ان کے سامنے جاتا ہے تو اپنے قلب میں ایک قسم کا عجز اور ان کے لئے ایک خاص قسم کی محبت اور عزت کے جذبات پاتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ بزرگ مجھے کوئی حکم دیں تو میں فوراً اس کی تکمیل کرکے اسے خوش کروں۔ اس احساس کا نام اخبات ہے۔ اگر انسان کائنات کی اساس پر غور کرے اور اس کے عجائبات پر فکر و تدبر کرے تو وہ اللہ تعالی کے لیے اپنے دل میں وُضو کا جذبہ محسوس کرتا ہے جس میں وہ کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتا۔ وہ اپنے آباء و اجداد، مرشدین، معلمین اور صالح

احکام کی اطاعت کو بھی اسی خضوع کے ماتحت ہے۔ مثلاً وہ دیکھتا ہے کہ میرے بزرگوں کا حکم اللہ تعالی کے حکم کے مطابق ہے تو اس کی اطاعت کرتا ہے اور اگر اسے اللہ تعالی کے حکم کے خلاف پاتا ہے تو اطاعت نہیں کرتا۔ ایسے ہی وہ اپنے بادشاہوں اور حاکموں کے حکموں کو جانچتا ہے۔ ان کی اطاعت اسی حد تک کرتا ہے جس حد تک وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہوں۔ وہ اپنے بزرگوں اور حاکموں کی اطاعت صحیح کاموں میں اور نافرمانی بُرے کاموں میں، کو تقرب الیٰ اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ یہ "اخبات الی للہ" انسانیت کا ایک طبعی جذبہ اور بنیادی خُلق ہے۔ اسکی مزید تفصیل ایسے ہے کہ۔

ایک سلیم النفس آدمی کو جب کہ وہ اپنی طبیعت کی داخلی ضرورتوں اور گردوپیش کی خارجی پریشانیوں سے فراغت حاصل کر چکا ہو تو اگر اسے اس حالت میں اللہ تعالی کی صفات اور جلالت شان اور کبریائی کو یاد دلائیں اور اس کو کسی نہ کسی طریقے سے ذات ِ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ کر دیں تو اس وقت اس شخص پر حیرت و دہشت کی سی ایک کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اور مادیات سے ماوراء جو مقدس اور مجرد عالم ہے اس عالم کے رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ اس شخص کو اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے۔ چنانچہ جب یہ شخص حیرت و دہشت سے گزر کر اس سے نیچے جو مقام ہے اس میں آتا ہے تو اس مقام میں اس شخص کی یہی حیرت و دہشت خشوع و خضوع اور عجز و نیاز مندی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس وقت اس شخص کی کیفیت ایسی ہوتی ہے جیسے کہ ایک غلام اپنے آقا کی حضوری میں ہوتا ہے یا ایک دہقان بادشاہ کے روبرو حاضر ہوتا ہے۔ یا جس طرح ایک محتاج سائل ایک فیاض آدمی کے در پر کھڑا ہو۔

انسان کی خشوع و خضوع اور دُعا و مناجات کی یہ کیفیت اس کی باقی تمام کیفیات سے زیادہ ملاء علیٰ کے وفورِ شوق کی اس کیفیت سے مشابہ ہے جو ان میں اللہ تعالی کی جلالتِ شان اور اس کی کبریائی کے لئے ہے۔ چنانچہ جب انسان کا دل خشوع و خضوع کی کیفیت میں بالکل رنگا جاتا ہے اور خشوع و خضوع کا ملکہ اس کی فطرت کے جوہر اصلی کا ایک حصہ بن جاتا ہے تو اس حالت میں اس شخص کے نفس اور ملاء اعلیٰ کے درمیان ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس کے راستے سے اس شخص پر ملاء اعلیٰ کی طرف سے جلیل القدر علوم و معارف نازل ہوتے ہیں۔ اور ان علوم و معارف کے لیے تجلیات الہی قالب بنتی ہیں۔[23]

3. سماحت

طہارت اور خشوع وخضوع کے بعد تیسری خصلتِ انسانی سماحت کی ہے اور سماحت کے معنی یہ ہیں کہ انسان لذتوں، انتقام، بخل، حرص اور اس طرح کی اور بُری باتوں کے پیچھے اپنے نفس کی سفلی خواہشات کا غلام نہ ہو۔ جن کو قرآنِ حکیم نے "رُجز" کہاہے۔ اور ارشاد فرمایا! "وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ"(اور گندگی سے دُور رہ)۔ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حکمتِ ولی اللہی کی اصطلاح میں اسے " سماحت " کہتے ہیں۔ "یعنی سماحت کے تمام شعبوں کی اصل بنیاد ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ بہیمیت اور اس کی تمام شکلوں پر انسان کے نوعی تقاضے رائے کلی غالب رہیں"۔ انسان میں جتنی خواہشات ہیں اسی قدر سماحت کے بھی شعبے ہیں۔ چنانچہ ہر خواہش کے مقابلے میں سماحت کے اس شعبے کو الگ نام دیا گیا ہے مثلا۔

- شہوانی اور کھانے پینے کی خواہشات کا اثر قبول نہ کرنا عفت ہے۔
- تن آسانی اور ترک عمل کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا اجتہاد ہے۔
- گھبراہٹ اور پریشانی کی خواہش کو روکنا صبر ہے۔
- انتقام کی خواہش سے مغلوب نہ ہونا عفو ہے۔
- حرص کی خواہش سے بچنا کا قناعت ہے۔
- شریعت نے جو حدود مقرر کی ہیں۔ ان سے تجاوز کرنے کی خواہشات کو دبانا تقویٰ ہے۔

الغرض یہ تمام کی تمام چیزیں سماحت میں داخل ہیں۔ لیکن ان سب کی اصل صرف ایک چیز ہے اور وہ یہ کہ عقل کے عمومی اور کُلی احکام کو نفس کی بہیمی وخسیس خواہشات پر پورا غلبہ حاصل ہو جائے۔ اس کے علاوہ سماحت کے ضمن میں چند اعمال اور افعال بھی ہیں کہ انسان ان اعمال وافعال کو اس طرح کرے اور اتنا عرصہ برابر کرتا رہے کہ سماحت کی اصل حقیقت بطور ایک کیفیت کے نفسِ انسانی میں جاگزیں ہو جائے اور نفس سماحت کی اس کیفیت کو ایک مستقل ملکہ بنالے۔

جس شخص کے نفس میں سماحت کی یہ کیفیت راسخ ہو جاتی ہے اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب وہ مرتا ہے تو اس دنیا کی زندگی میں اِدھر اُدھر کے جو بُرے اثرات اس کے نفس پر ہجوم کیے ہوئے ہوتے ہیں وہ موت کے وقت اس سے یکسر چھُٹ جاتے ہیں اور وہ اس دنیا سے اس طرح نکل کر دوسری دنیا میں پہنچتا ہے جیسے کہ سونا کھٹالی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ انسان کا عذاب قبر سے محفوظ رہنا غالباً اسی سماحت کی خصلت پر موقوف ہے۔ صوفیاء کرام نے اس خصلت کا نام زُہد، حریت اور ترکِ دنیا رکھا ہے۔

بُرائی۔۔۔۔۔اُثم۔۔۔۔۔۔۔کا معیار شخصی نہیں بلکہ نوعی تقاضہ ہے۔ برائی وہ فعل ہے جسے عام تندرست انسانیت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی برائی کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ! انسان میں دو قسم کے کمالات ہو سکتے ہیں۔

1. ایک تو وہ جو اس کی صورت نوعیہ کے تقاضے سے پیدا ہوا۔
2. دوسرے وہ جو اس کی جنس قریب یعنی حیوانیت اور جنس بعید یعنی جمادیت تقاضہ کرتی ہے۔ لیکن وہ سعادت جس کی عدم موجودگی سے انسان کو نقصان پہنچتا ہے اور جسے ہر صاحب عقلِ سلیم حاصل کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے وہ اول الذکر ہے (یعنی نوعی تقاضے کے مطابق)، پس شقاوت (بدبختی اور برائی) وہ ہوگی جو انسان کے نوعی تقاضے کے خلاف ہو۔[24]

4. عدالت

ان چار خصلتوں میں سے آخری خصلت عدالت کی ہے۔ جیسا کہ مقدس کتاب قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾"[25]

(اے ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے رہو اور تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو انصاف کرو وہ پرہیز گاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے)

اور عدالت ہی پر دنیا میں عادلانہ نظام اور سیاسی اصول وکلیات کا دارومدار ہے۔ عدالت کے بہت سے شعبے ہیں۔ ان میں سے ایک شعبہ ادَب کا ہے۔ ایک آدمی اپنی حرکات وسکنات پر نظر رکھتا ہے اور اس ضمن میں جو بہترین وضع ہوتی ہے، اسے اختیار کرتا اور اس پر چلتا ہے۔ جو بھی معاملہ اسے پیش آتا ہے اس میں پیرایہ اختیار کرتا ہے۔ اور اس کی طبیعت کا فطری طور پر اسی طرف میلان بھی ہوتا ہے۔ اس شخص نے جب یہ کیفیت بطور عادت کے پیدا ہو جاتی ہے تو اسے ادَب کہتے ہیں۔

انسان کا اپنے کاموں کی دیکھ بھال اور نیز جمع وخرچ خرید وفروخت اور اس طرح کے دوسرے معاملات میں عدالت کو ملحوظ رکھنا کفایت ہے۔ گھر کو ٹھیک طرح چلانا حُریت ہے۔ شہروں اور لشکروں کا اچھی طرح سے انتظام کرنا سیاست مدینہ ہے۔ اور ساتھیوں میں اچھی طرح زندگی گزارنا ہر شخص کا حق ادا کرنا اور ہر ایک کے ساتھ حالات کے مطابق اُلفت برتنا اور اس سے خوشی خوشی ملنا حسن معاشرت ہے۔

یعنی یہ تمام خصلتیں عدالت کے شعبے ہیں اور ان سب کی اصل ایک اور صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ انسان کا نفس ناطقہ[26] خود اپنی فطرت کے تقاضے سے عادلانہ نظام اختیار کرے۔ اور نہ صرف اختیار کرے بلکہ وہ اس نظام کو برسرِ کار لانے میں کوشاں بھی ہو۔ جس شخص میں عدالت کی خصلت بدرجہ اُتم پائی جاتی ہے اس شخص کو ملاء اعلیٰ کے ان افراد سے جو دنیا میں حق سبحانہ وتعالیٰ کی فیض رسانیوں کا واسطہ بنتے ہیں اور ان کی اصل فطرت میں عادلانہ نظام کے قیام کی استعداد ودیعت ہوتی ہے اور نیز ان میں عادلانہ نظام کو قبول بنانے کے لیے بڑی ہمت ہوتی ہے۔

الغرض اس شخص کو ملاء اعلیٰ کے افراد سے بڑی مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس شخص پر ملاء اعلیٰ کے ان افراد کے دلوں سے سورج کی شعاعوں کی طرح نُور کی بارش ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس شخص کو دنیا میں بڑی آسودگی اور کشائش مُیسر آتی ہے۔ اس آسودگی اور کشائش کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور ہر شخص کی جیسی استعداد ہوتی ہے اِسی کے مطابق اس کو ان میں سے حصہ ملتا ہے اور اپنی طبیعت کے اعتبار سے وہ ان سے محظوظ ہوتا ہے۔ مثلاً

ایک شخص کو اپنے ساتھیوں کی صحبت بہت مرغوب ہے اور دوسرا خوشگوار کھانا، عمدہ لباس، پاکیزہ گھر اور محبت کرنے والی بیوی کو پسند کرتا ہے اور اِسی پر دوسروں کے رجحانات کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ [27]

انقاع کا امتناع ارشادِ خداوندی ہے۔ "وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾" [28] یعنی جب تو کسی پر احسان کرے تو اپنے حق سے زیادہ معاوضہ طلب نہ کر۔ یہ خُلق عدالت کے منافی ہے۔ جو شخص عادلانہ نظام کی مخالفت کرتا ہے اور شریعت کے احکام کو بجا نہیں لاتا اور ایسے کام کرتا ہے جن سے کہ عام لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ چنانچہ اس شخص کے اور ملاء اعلیٰ کے ان افراد کے درمیان جو دنیا میں فیوض الٰہی اور نعمت ہائے خداوندی کو پہنچانے کا ذریعہ ہیں، نفرت اور وحشت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ملاء اعلیٰ کی طرف سے اس شخص پر ظلم و تاریکی کی بارش ہوتی ہے اور وہ محسوس کرتا ہے کہ ہر جانب سے اس پر تنگی یورش کر رہی ہے۔ اور بعینہ یہی حال اس شخص کا بھی ہوتا ہے جو اس دنیا میں خشوع و خضوع کی خصلت سے آشنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس ایسا ہو کہ اِس نے اپنے اندر خشوع و خضوع کے خلاف جو بُری عادتیں تھیں وہ پیدا کر لیں یہ شخص جب اس دنیا سے انتقال کرتا ہے تو اس کو تاریکیوں کی تہ بہ تہ گھٹائیں گھیر لیتی ہیں۔

لیکن آخر یہ راز کیا ہے اور یہ کیسے ہوتا ہے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اس زندگی کے بعد جو دوسرا عالم ہے۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں عالم جبروت کے حقائق کا انکشاف ہو۔ اب جو شخص اس عالم میں خشوع و خضوع سے متصف نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس وہ خشوع و خضوع کے خلاف عادتیں لے کر دوسرے عالم پہنچتا ہے تو اس پر وہاں عالم جبروت کے حقائق منکشف نہیں ہو پاتے جس کی وجہ سے اسے اس عالم میں بڑی اذیت اور کوفت ہوتی ہے۔ اور جو شخص اس زندگی میں سماحت کے خلاف جو بُرے اَخلاق ہیں ان میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے علائق مثلاً جاہ و مال اور اولاد کی محبت اور اسی قبیل کی اور خواہشات بھوک اور پیاس کی طرح اس کے دل پر یورش کرتی رہتی ہیں۔ چنانچہ یہ چیزیں اس شخص کے دل پر کس طرح کے اثرات چھوڑتی ہیں جیسے کہ ہم مہر کو زور سے موم پر لگائیں اور مہر کے نقوش موم پر چھپ جائیں اور اس کے خلاف جو شخص سماحت کے اوصاف کا حامل ہوتا ہے اس کے نفس کی مثال پانی کی سی ہوتی ہے کہ جس طرح پانی پر کوئی نقش نہیں ٹھہرتا اسی طرح اس کا نفس بھی دنیا کے تعلقات کا اثر قبول نہیں کرتا۔

شارع ﷺ نے صفتِ طہارت کے اکتساب کے لیے وضو، غسل اور خشوع و خضوع کی خصلت کے حصول کے لیے نمازیں، دُعا و مناجات، تلاوتِ قرآن، ذکر و اذکار اور توبہ و استغفار وغیرہ مالِ مشروع فرمائے ہیں۔ اور اسی طرح سماحت کے حصول کے لیے عفو، حسنِ خلق اور اس طرح کے اور اَخلاق حسنہ معین کیے ہیں۔ اور عدالت کی خصلت پیدا کرنے کے لئے شارع ﷺ نے بیماروں کی عیادت کا حکم دیا ہے ہر ایک کو اسلام علیکم کہنے کی تلقین فرمائی ہے اور اس کے علاوہ اور حدود و آداب بھی معین کیے ہیں۔

اہل طریقت کے سالک کو چاہئے کہ وہ ان اَخلاق اربعہ سے اچھی طرح واقفیت حاصل کریں اور خوب سوچ سمجھ کر اور پوری تحقیق کے بعد وہ ان خصلتوں کے حصول کو اپنا نصب العین بنائیں اور نیز اپنے اعمال و معمولات میں وہ ان خصلتوں سے بے تعلق نہ ہونے پائیں اور اپنی طبیعت کو بُری عادتوں کی طرف جو ان فضائل کے خلاف ہیں متوجہ نہ ہونے دیں۔[29]

اَب ایک شخص ہے جس نے کہ "صفتِ احسان" جو کہ عبارت ہے نورِ طہارت اور خلاصہ مناجات سے جان لیا اور پھر اس نے احسان کی صفت کو حاصل بھی کر لیا۔ لیکن اس کے بعد ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ وہ کسی وجہ سے احسان کی کیفیت کو اپنے اندر نہیں پاتا یا اگر پاتا بھی ہے تو بہت کم درجے میں۔ اس شخص کو چاہئے کہ وہ اس اَمر کی تحقیق کرے کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر اس کا سبب اس شخص کی طبیعت کی سرکشی ہے تو وہ اس کا تدارک روزوں کے ذریعے کرے۔ اور اگر شہوانیت کا غلبہ ہے تو اس کا مداوا نکاح یا کنیز کے ذریعے سے کرے۔ اور اگر صفتِ احسان کی یہ حالت لوگوں کے ساتھ بہت زیادہ اٹھنے بیٹھنے سے ہوتی ہے تو وہ اعتکاف میں بیٹھے اور لوگوں سے ملنا جلنا بھی کم کر دے اور اگر اس کے دماغ میں اِدھر اُدھر کے پریشان کن خیالات جمع ہو گئے ہیں اور انہی کا اس کی صفت احسان پر یہ برا اثر پڑا ہے تو وہ کافی عرصہ تک ذکر و اذکار کرے، اور اگر اہل وطن کے رسوم و رواج میں طبیعت پر غلبہ پالیا ہے اور یہی چیزیں کیفیت احسان میں مخل ہو رہی ہیں تو اسے چاہیے کہ وطن سے ہجرت کر جائے۔[30]

الغرض اللہ کی راہ میں جو سبقت کرتے ہیں اور اَخلاق اربعہ کو اختیار کرتے ہیں وہ سابقین تو کامیاب ہوتے ہی ہیں، ان کے علاوہ ان کے دست راست بننے والے بھی پھنسے نہیں رہتے۔ وہ بھی کامیاب و کامران ہوتے ہیں۔ اور سند کامیابی اپنے دائیں ہاتھ میں پاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفسوں کا حق ادا کیا۔ یعنی اللہ نے جو قوتیں عطا کی

تھیں، ان کو حق کی راہ میں پوری طرح استعمال کیا۔ ان کے مقابلے میں ایک جماعت اصحاب شمال کی ہے جو ناکام رہتی ہے۔ تو ان ناکام رہنے والوں کی ناکامیابی کے اسباب خود ان کی زبانی سن لیں تاکہ کامیاب انقلابی پروگرام کی مدات واضح ہو جائیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ یعنی سعادتِ انسانی کے اس پروگرام پر عمل نہ کرتے تھے جو اتحاد فکر، اجتماعیت اور مساوات وغیرہ بیسیوں بھلائیاں سکھاتا ہے اور جس کی انتہائی معراج تعلق باللہ ہے۔

یاد رہے کہ انسان کے قلب میں خداشناسی کی جو قوت مضمر ہے، اسے نماز ترقی دیتی ہے تو انسان کے اندر ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ گویا وہ اس آئینے میں خدا کو دیکھ رہا ہے۔ یہ تجلی جو اس کے قلب میں اسے نظر آتی ہے انسان کبیر۔۔۔۔۔۔ امام نوع انسانی۔۔۔۔ کے قلب کی تجلی کا پرتو ہوتی ہے۔ یہاں تک ترقی کر جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان انسانیت کے تقاضوں کو اللہ کا حکم سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اپنے آپ کو اللہ کا یعنی مسکینوں اور کمزوروں کا خادم سمجھنے لگ جاتا ہے اور جسے کسی دوسرے بندے کے حقوق سلب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ پس وہ ہر وقت خدمت انسانیت کے لیے تیار رہتا ہے اور اسے اللہ کی عبادت کا جزو جانتا ہے۔

انسان کی سعادت اس کے کمالات میں مضمر ہے۔ کمالات اس کی صفات کے ذریعے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر صفات خوبصورتی، آرائش و زیبائش کا نام ہے تو وہ پھولوں ڈالیوں درختوں اور دیگر مناظر قدرت میں بھی ہیں۔ نباتات میں بھی مشترک ہے۔ یا غصہ کینہ، مباشرت کی طاقت اور کھانے پینے کی کثرت میں ہے تو یہ چوپائیوں میں بھی مشترک ہے یہ وصف تو گدھے میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ لہٰذا انسانی سعادت مخصوص ہے مثلاً ً مہذب اَخلاق میں، صالحہ نظام حیات، اعلیٰ صنائع کی ایجاد، جاہ و حشمت کے حصول اور سائب الرائے ہونے میں ہے۔ اخلاق کا کا ظہور تو معاملات میں پڑنے اور باہمی مزاحمتوں کے وقت ہی ہوتا ہے اور دنیاوی زندگی کے یہ کمالات یہیں دنیا میں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی ناقص انسان اس حالت میں مر گیا تو وہ سعادت سے محروم رہ گیا۔ پس سعادت کے حصول کی راہ ایک اور صرف ایک ہی ہے۔ کہ قوت ملکیہ اتنی قوی ہو کہ قوت بہیمیہ کامل طور پر اس کی مطیع رہنے کی خوگر بن جائے۔ عالم ملکوت سے مشابہت اور عالم جبروت کی طرف رغبت قوت ملکیہ کا خاصہ ہے۔ عبادتیں اور ریاضتیں،

اخلاق مطلوبہ منزل مقصود کے حاصل کرنے کے ذرائع ہوا کرتے ہیں۔ اور انہی کے ذریعے انسان سعادتِ حقیقی تک پہنچ سکتا ہے۔

انسان کا منتہائے نظر تہذیبِ نفس اور تزکیہ باطن ہے جس سے انسان ملاء اعلیٰ سے مشابہ ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح قوت ملکیہ میں جذب ہو جاتے ہیں جس طرح لوہا مقناطیس کے اندر۔ یہی وہ خُلق اور صفات ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تخلیق کیا ہے۔ پھر تو دنیا کے فائز المرام سلاطین اور حکماء ان کے ہاتھ اور قدم چومتے ہیں باوجود اختلافِ مذاہب کے اور دور دراز فاصلوں کے اپنی فطری مناسبت یعنی قوت ملکیہ کی وحدت پر جمع اور قائم رہتے ہیں۔

جبلتی طور پے سعادت کے لیے لوگ مختلف ہوتے ہیں۔ جس طرح شجاعت کی وصف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے کوئی بالکل بہادر نہیں ہوتا جیسے مخنث یا ضعیف القلب، کوئی درمیانہ درجے کا بہادر ہوتا ہے۔ کوئی قوی کہ روکنے سے بھی نہیں روکا جاسکتا۔ اسی طرح سعادت کی صفت اخلاق ہے بعضوں میں یہ بالکل ہی مفقود ہوتی ہے ان پر کُفر کی مہر لگادی جاتی ہے جیسے خداوند قدوس کا ارشاد مبارک ہے۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (18)[31]

بعض عبادات اور ریاضتوں سے اس وصف کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور انبیاء کرام علیہ السلام کی دعوت کے طریقوں کو اختیار کرنے کے محتاج ہوتے ہیں باقی وہ جن کو اللہ تعالیٰ سعید بنا کر مبعوث فرماتے ہیں اور وہ طبقہ انبیاء کرام علیہ السلام کا ہوتا ہے۔ جن کی اتباع سے تمام راستے طے ہو جاتے ہیں اور دین و دنیا کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے۔

حاصل کلام

انسانوں کے لیے سنتِ اولیٰ یہی ٹھہری کہ وہ بندوں میں اچھے خلاق کی ترویج کریں۔ پیغمبرِ اسلام ﷺ کا ارشاد ہے "**بعثتُ لِأتَمِّمَ مَكارِمَ الأخْلاقِ**" (میں تو اسی لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اخلاق کی تکمیل کر دوں)۔ اسلام میں اخلاق ہی وہ معیار ہے جس سے باہم انسانوں میں فرقِ مراتب نمایاں ہوتا ہے۔ کیونکہ انسانی تخلیق میں نیکی اور شر کا مرکب موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان سے بدی یا گناہ ارتکاب ہو سکتا ہے لیکن بارگاہِ ربوبیت میں مقبولیت صرف اسی انسان کی ہوتی ہے جو پاکیزہ اوصاف کا حامل ہوتا ہے۔ اور دنیا کی امامت بھی ایسی ہی پاکیزہ

اوصاف کی حامل جماعت کو سونپی جاتی ہے لیکن چونکہ شَر بھی انسان کے اندر ہی پنپ رہا ہوتا ہے اور اُس نے ظاہر ہونا ہوتا ہے لہذا انسان کو چاہئے کہ وہ شریعت کا مقصود سمجھے اور اپنے آپ کو ہمشہ ایسے اوصاف بالا متصف رکھنے کی سعی میں لگا رہے جس سے اُس کا تعلق ملاء اعلیٰ کے حاملین سے قائم ہو سکے۔ جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ بھی ہے۔ "خَيْرُ مَا أُعْطِيَ النَّاسُ خُلُقٌ حَسَنٌ" لوگوں کو جو چیزیں عطا کی گئی ہیں۔ ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

حوالہ جات

1 العمران:74

Surah Al-Imran:74

2 ایک دن مولانا بڑے مغموم سے تھے فرمانے لگے کہ میں مسلمانوں کو کام کی اور ضرورت کی باتیں کہتا ہوں لیکن وہ نہیں سنتے بلکہ الٹا مجھے مطعون کرتے ہیں۔ مجھے دیکھو میں 16 برس کی عمر کا تھا کہ گھر بار چھوڑ کر نکل آیا تھا۔ مانا کہ میرا خاندان بہت بڑا نا تھا اور نا ہمارے ہاں دولت کی فراوانی تھی لیکن آخر میری ماں تھی میری بہنیں تھیں اور ان کی محبت میرے دل میں جاگزین تھی لیکن اسلام سے مجھے اتنی محبت تھی کہ میں کسی کی محبت کو بھی خاطر میں نالایا۔ خدا ہی جانتا ہے کہ ماں کو چھوڑنے سے مجھے کس قدر ذہنی اذیت ہوئی؟ (یہ کہتے ہوئے مولانا آب دیدہ ہو گئے۔)

3 ذاتی ڈائری، ص18

4 ابن منظور، لسان العرب، 86،85/10 دار احیاالتراث العربی بیروت لبنان 1390ھ (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں: راغب اصفہانی، مفردات القرآن، ص1/318، شیخ شمس الحق لاہور الازدی جمہرۃ اللغۃ، طبع: دار الکتب العلمیہ 2000ء، ص1/734

Ibn Manzoor, Lisan al-Arab, 85, 86/10, Dar Ihya al-Turath al-Arabi, Beirut, Lebanon, 1390H Raghib Asfahani, Mufradat al-Quran, 1/318, Sheikh Shams al-Haq Azdi Jamhoor al-Lughat, Dar al-Kitab al-Ilmiyah, 2000

5 زبیدی، تاج العروس، ص120/13 دار الفکر بیروت لبنان (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیں) لوئیس معلوف المنجد، دار الشاعت کراچی، ص194

Zubaidi, Taj al-Arus, 120/13, Dar al-Fikr, Beirut, Lebanon
Louis Massignon, Darel Sha'at, Karachi, 194

6 شاہ ولی اللہ، امام، حجۃ البالغہ (مترجم)، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص104/ 02

Shah Waliullah, Imam, Hujjat al-Baligha (translated), Maktaba Rahmania Lahore, 104/02

7 فخر الدین رازی، امام تفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ص15/ 435

Fakhr al-Din Razi, Imam, Tafsir al-Kabir, Dar al-Kitab al-Ilmiyah, Beirut, Lebanon, 15/435

8 **ماوردی، ابوالحسن، علی بن محمد ،تسہیل النظر و تعجیل الظفر، دار النشر بیروت لبنان، ص5**

Mawardi, Abu al-Hasan, Ali bin Muhammad, Tashih al-Nazar wa Ta'jeel al-Zafar, Dar al-Nashr, Beirut, Lebanon, 5

9 جرجانی، محمد شریف علی بن محمد، کتاب التعریفات، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص73

Jurjani, Muhammad Sharif Ali bin Muhammad, Kitab al-Tarifat, Maktaba Rahmania Lahore, 73

10 الجاحظ، ابی عثمان عمرو، تہذیب الاخلاق، دار الصحابہ للتراث، طبع 1989ء، ص12

Al-Jahiz, Abu Uthman Amr, Tahzeeb al-Akhlaq, Dar al-Sahaba lil-Turath, 1989, 12

11 جمیل جالبی، قومی اردو لغت، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ص87

Jameel Jalibi, Qaumi Urdu Lughat, Muqtadira Qaumi Zaban Islamabad, 87

12 **صحیح مسلم(كِتَاب الْبِرِّ وَالصِّلَةِ وَالْآدَابِحسن سلوک، صلہ رحمی اور ادب):ح6579**

Sahih Muslim (Book of Virtue, Good Manners, and Joining of the Ties of Relationship): Hadith 6579

13 سید حسین قادری شور، ڈاکٹر، امام غزالی کا فلسفہ مذہب و اخلاق، ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی، انڈیا، کوہ نور پرنٹنگ پریس لال کنواں دہلی، طبع اول جنوری 1961ء، ص366

Syed Hussain Qadri Shor, Dr., Imam Ghazali ka Falsafa Mazhab aur Akhlaq, Nadwat al-Musannifeen Urdu Bazaar Jama Masjid Delhi, India, Koh-e-Noor Printing Press Delhi, January 1961, 366

14 1-طہارت،2-اخبات الی اللہ،3-سماحت،4-عدالت

15 محمد سرور، پروفیسر، جدید مسلم ذہن کے معمار مولانا عبید اللہ سندھی، حالات تعلیمات اور سیاسی افکار، عبید اللہ سندھی فاؤنڈیشن،24 مسلم روڈ قلعہ گجر سنگھ لاہور، ص70

Muhammad Sarwar, Professor, Jadid Muslim Zehan ke Muamir Maulana Ubaid Allah Sindhi, Halat Taleemat aur Siyasi Afkar, Ubaid Allah Sindhi Foundation, 24 Muslim Road Qila Gujar Singh Lahore, 70

16 عبید اللہ سندھی، امام، شعور آگہی، ص82

Ubaidullah Sindhi, Imam, Shaoor Agahi, 82

17 المدثر04:74

Al-Muddathir 04:74

18 نقص پیدا ہونا

19 یہ عربی کا لفظ ہے سورۃ ص کی آیت نمبر 69 میں اس کا ذکر ہوا ہے۔ ریختہ لغت میں اس کا مطلب ہے اوپر کی مجلس، عالم بالا کے اشراف؛ فرشتے؛ ملائکہ؛ عرش، عالم بلا، عالم ارواح (اعلیٰ درجے کے ملائکہ اور پاکیزہ روحوں کی بلند مجلس جو عرش الہیٰ کے گرد ہے)۔

20 منور حسین،، عبید اللہ سندھی کا نظریہ تصوف (مقالہ)، سینٹرل لائبریری بہاؤلدین زکریا یونیورسٹی ملتان، ص182

Munawar Hussain, Ubaid Allah Sindhi ka Nazriya Tasawwuf (Thesis), Central Library Bahauddin Zakariya University Multan, 182

21 (سابقہ حالت اور خیالات کی طرف پلٹنا)

22 الھود23:11

23 منور حسین، عبید اللہ سندھی کا نظریہ تصوف، ص184

Munawar Hussain, Ubaid Allah Sindhi ka Nazriya Tasawwuf, 184

24 منور حسین، عبید اللہ سندھی کا نظریہ تصوف، ص185

Munawar Hussain, Ubaid Allah Sindhi ka Nazriya Tasawwuf, 185

25 المائدہ8:5

Al-Ma'idah 5:8

26 تعمیر و تنظیم شخصیت کا بنیادی عمل یہ ہے کہ نفسِ امارہ (منفی ارادے) پر نفسِ لوامہ (ملامت کرنے والی قوت) کی گرفت کو مضبوط کر کے انسانی نفس کے اس اعلیٰ ترین حصے کو بروئے کار لایا جائے جسے قدیم علم النفس اور علم الاخلاق کی زبان میں "نفس ناطقہ" کہتے ہیں۔

27 منور حسین، عبید اللہ سندھی کا نظریہ تصوف، ص186

Munawar Hussain, Ubaid Allah Sindhi ka Nazriya Tasawwuf, 185

28 المدثر06:74

Al-Muddathir 06:74

29 منور حسین، عبید اللہ سندھی کا نظریہ تصوف، ص186

Munawar Hussain, Ubaid Allah Sindhi ka Nazriya Tasawwuf, 186

30 شاہ ولی اللہ، محدث، دہلوی، امام، ہمعات، ص196

Shah Waliullah, Muhaddith, Dehlvi, Imam, Hama'at, 196

31 البقرۃ:18

Al-Baqarah 2:18